''قصہ چہار درویش'' کے منتخب تراجم میں تہذیبی و سماجی عناصر کا تقابلی جائزہ

Comparative Study of Cultural and Social Elements in Translations of Story of Four Darvishes

[i] شہزادی سدرہ [ii] ڈاکٹر راشدہ قاضی

Abstract:

The article presents a comparative analysis of three well-known Urdu translations of "Qisa Chahar Darwish", namely Bagh-e-Bahar by Mir Aman Dehlvi, Nautra-ze-Marsa by Mir Muhammad Hussain Atta Khan Tahseen, and Nautra-ze-Marsa by Muhammad Ghaus Zarin, in which the cultural and social elements found in these translations are mainly discussed. "Qisa Chahar Darwish" is an important milestone in the literary tradition of the subcontinent, which not only strengthens the artistic tradition of storytelling but also reflects the social and cultural trends of that period. The aim of this study was to clarify how the same story takes on new semantic and intellectual colors in the hands of different translators in different periods. In Bagh-e-Bahar, Mir Aman Dehlvi has presented the urban civilization, popular language, and daily social life of Delhi in a very simple and eloquent manner. His prose deeply reflects the social relations, class balance, and public feelings of that time. On the other hand, Tahsin's new style has a courtly and aristocratic atmosphere, in which the artifice of language and expression, scholarly sophistication, and class distinction are clearly visible. In contrast, Muhammad Ghaus Zarin's translation is written from a balanced and ethical point of view, which represents the spiritual and moral values of Indian society. This study concludes that in these three translations, "Qisa Chahar Darwish" is not just a story but also represents the cultural, social, and intellectual structure of each translator's era. Through these translations, the development of Urdu prose, simplicity of language, and various aspects of cultural consciousness are highlighted. This comparative review highlights the fact that Urdu literature has always absorbed the social attitudes, human relations, and cultural values of its era. In this sense, the translations of "Qisa Chahar Darwish" are a valuable literary asset for understanding the evolution of Urdu prose and the cultural background of the subcontinent.

Keywords: *Bagh-e-Bahar, Nawtar-ze-Marsa, Four Darwish, Cultural, Social, Translation.*

زیر نظر مقالہ میں ''قصہ چہار درویش'' کے تین معروف اردو تراجم: باغ و بہار از میر امن دہلوی ، نوطرز مرصع از میر محمد حسین عطا خان تحسین اور نوطرز مرصع از محمد غوث زریں میں پائے جانے والے تہذیبی اور سماجی عناصر کو زیر بحث لایا گیا ہے ۔ "قصہ چہار درویش" برصغیر کے معاشرتی اور تہذیبی رجحانات کی عکاسی کرتا ہے ۔ باغ و بہار میں میر امن دہلوی نے دہلی کی شہری تہذیب ، عوامی زبان ، اور روزمرہ معاشرتی زندگی کو نہایت سادہ اور فصیح انداز میں پیش کیا ہے ۔ ان کی نثر میں اس وقت کے سماجی روابط ، طبقاتی توازن ، اور عوامی احساسات کی گہری جھلک پائی جاتی ہے ۔ دوسری طرف ، تحسین کا نوطرز مرصع ایک درباری اور اشرافی فضا کا حامل ہے ، جس میں زبان و بیان کا تصنع ، علمی نزاکت ، اور طبقاتی امتیاز واضح طور پر نظر آتا ہے ۔ اس کے برعکس محمد غوث زریں کا ترجمہ ایک متوازن اور اخلاقی نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے ، جو ہندوستانی معاشرت کی روحانی اور اخلاقی اقدار کی نمائندگی کرتا ہے ۔ تحقیقی طور پر یہ مطالعہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان تینوں تراجم میں "قصہ چہار درویش" محض ایک داستان نہیں بلکہ ہر مترجم کے عہد کی تہذیبی ، سماجی اور فکری ساخت کی نمائندگی کرتا ہے ۔ ان تراجم کے ذریعے اردو نثر کی ترقی ، زبان کی سادگی ، اور تہذیبی شعور کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں ۔ یہ تقابلی جائزہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اردو ادب نے ہمیشہ اپنے عہد کے معاشرتی رویوں ، انسانی تعلقات ، اور تہذیبی اقدار کو جذب کیا ہے ۔ اس لحاظ سے "قصہ چہار درویش" کے تراجم اردو نثر کے ارتقا اور برصغیر کے ثقافتی پس منظر کو سمجھنے کے لیے ایک قیمتی ادبی سرمایہ ہیں ۔

کلیدی الفاظ: باغ و بہار ، نو طرز مرصع ، چار درویش ، تہذیبی ، سماجی ، ترجمہ ۔

[i] پی ایچ ڈی اسکالر ، شعبہ اردو ، غازی یونی ورسٹی ، ڈیرہ غازی خان ۔
[ii] ایسوسی ایٹ پروفیسر ، شعبہ اردو ، غازی یونی ورسٹی ، ڈیرہ غازی خان (Corresponding Author)

اردو نثر کی تاریخ میں "قصہ چہار درویش" ایک نہایت اہم اور دلچسپ داستانی روایت کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے نہ صرف اردو ادب کی تخلیقی جہتوں کو وسعت دی بلکہ تہذیبی اور سماجی اقدار کے اظہار کے لیے بھی ایک وسیع میدان فراہم کیا۔ یہ قصہ دراصل فارسی زبان میں امیر خسرو کے منسوب کردہ بیانیے سے ماخوذ ہے، جسے بعد ازاں مختلف اردو نثر نگاروں نے اپنے اپنے عہد کی زبان، اسلوب، اور فکری پس منظر کے مطابق ترجمہ اور بازآفرین کیا۔ ان تراجم میں نمایاں طور پر میر امن دہلوی کا باغ و بہار، میر محمد حسین عطا خان تحسین کا نوطرز مرصع، اور محمد غوث زریں کا نوطرز مرصع شامل ہیں۔ ان تینوں تراجم نے نہ صرف زبان و بیان کے لحاظ سے اردو نثر کی ترقی میں سنگِ میل کا کام کیا بلکہ ان میں اپنے اپنے دور کی تہذیبی، سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی کیفیات کی جھلک بھی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ محمد صدیق کے مطابق:

> "قصہ چہار درویش اردو نثر کی تاریخ میں وہ سنگ میل ہے جس نے داستان گوئی کو زبان واسلوب کے نئے افق عطا کیے۔"[۱]

ہر مترجم نے "قصہ چہار درویش" کو محض ایک داستان کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اپنے عہد کی تہذیبی فضا، سماجی اقدار، طبقاتی ساخت، اور انسانی تعلقات کی نوعیت کے آئینے میں دیکھا۔ باغ و بہار میں میر امن دہلوی نے دہلی کی عام بول چال کی زبان اور شہری زندگی کے آداب و رسوم کو پیش کیا، جب کہ تحسین کے نوطرز مرصع میں درباری تہذیب، علمیت اور تصنع نمایاں ہے۔ دوسری طرف محمد غوث زریں کے نوطرز مرصع میں متوازن اسلوب کے ساتھ اخلاقی اور سماجی اقدار کا بیان زیادہ واضح طور پر ملتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "میر امن دہلوی کا باغ و بہار دراصل اردو زبان کے فطری حسن اور دہلی کی تہذیب کا مظہر ہے۔ اس میں عوامی لہجے اور محاوروں کے ذریعے تہذیبی زندگی کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔"[۲]

میر محمد حسین عطا خان تحسین کا نوطرز مرصع اپنے عہد کی درباری اور اشرافی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ اس میں زبان کی لطافت، عبارت کا تصنع، اور بیانیہ کی نزاکت نمایاں ہے۔ تحسین نے اس داستان کو ایک فنی و فکری نزاکت کے ساتھ برتا جس سے اس دور کی اشرافی زندگی، طبقاتی تقسیم، اور اخلاقی معیار کی جھلک واضح ہوتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تحسین کی نثر محض فنی مشق نہیں بلکہ تہذیبی رویوں کی

نمائندہ بھی ہے۔ احتشام حسین کے مطابق:

"تحسین کا نوطرز مرصع اپنے زمانے کی درباری فضا، تصنع، اور ادبی نزاکتوں کی عکاسی کرتا ہے، جو اس عہد کی سماجی ساخت اور طبقاتی تقسیم کی نمائندگی کرتا ہے۔" [۳]

محمد غوث زریں کا نوطرز مرصع اپنی انفرادیت کے لحاظ سے قابلِ ذکر ہے۔ ان کے ہاں اسلوب میں سادگی، فکر میں اعتدال، اور بیان میں اخلاقی توازن پایا جاتا ہے۔ ان کا ترجمہ تحسین اور میر امن دونوں سے مختلف ہے، کیوں کہ وہ نہ صرف داستان کی فنی لطافت برقرار رکھتے ہیں بلکہ اس میں ہندوستانی سماج کی اخلاقی و روحانی اقدار کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی نثر ایک معتدل تہذیبی رویے کی عکاسی کرتی ہے۔

سید عبداللہ کے مطابق:

"محمد غوث زریں کا ترجمہ اپنی زبان میں سادگی، اعتدال اور اخلاقی رجحان کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ اس میں تہذیبِ ہند کے اقدار کو نہایت توازن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔" [۴]

عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:

"قصہ چہار درویش کے مختلف تراجم دراصل برصغیر کی بدلتی ہوئی تہذیبی صورتِ حال اور ادبی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہر مترجم نے اپنے عہد کی فکری اور سماجی ترجیحات کو متن میں جذب کیا۔" [۵]

رشید احمد صدیقی کہتے ہیں:

"اردو نثر کے آغاز میں باغ و بہار جیسی تصنیفات نے زبان کو عوامی سطح پر سمجھنے کے قابل بنایا اور اسے ادبی اظہار کا مؤثر وسیلہ بنا دیا۔" [۶]

ان تراجم کا تقابلی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ زبان، سماج، اور طبقاتی احساسات تمام مصنفین کے ہاں مختلف زاویوں سے جلوہ گر ہیں۔ میر امن نے عوامی زبان اور دہلی کی روزمرہ بول چال کو اپنایا جب کہ تحسین نے درباری نزاکتوں اور اشرافی اسلوب کو ترجیح دی۔ یہ فرق دراصل ان کے عہد کی طبقاتی ساخت اور تہذیبی ترجیحات کا مظہر ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

"تحسین اور میر امن کے مابین سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ ایک نے زبان کو اشرافیہ کے ذوق کے مطابق برتا اور دوسرے نے عوامی احساسات کو اپنی تحریر کا مرکز بنایا۔" [۷]

سماجی تعلقات

سماجی تعلقات انسانی معاشرت کی بنیاد ہیں، جو افراد کو باہمی ربط، تعاون اور احساسِ وابستگی کے ذریعے ایک مربوط معاشرتی نظام میں جوڑتے ہیں۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے ایک سماجی مخلوق ہے جو تنہائی میں نہیں جی سکتا؛ وہ اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر دوسروں سے تعلق قائم کرتا ہے — کبھی خاندان کے ذریعے، کبھی برادری اور کبھی وسیع تر معاشرتی رشتوں کے ذریعے۔ یہی تعلقات انسان کو محبت، اعتماد، ہمدردی اور اجتماعی ذمے داری کا شعور دیتے ہیں۔ برصغیر کی روایتی تہذیب میں سماجی تعلقات کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، جہاں باہمی میل جول، خیر خواہی، پڑوسیوں کے حقوق، اور اقرباپروری کو اخلاقی فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی تعلیمات نے بھی اس تصور کو مزید مستحکم کیا۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر عدل، احسان، صلہ رحمی، اور معاشرتی تعاون پر زور دیا گیا ہے، جس سے ایک ایسا سماجی ڈھانچہ وجود میں آتا ہے جس کی بنیاد احترامِ انسانیت اور باہمی محبت پر استوار ہوتی ہے۔

اردو داستانی ادب خصوصاً قصہ چہار درویش اور اس کے تراجم میں سماجی تعلقات کا تصور نہایت لطیف اور تہذیبی شعور کے ساتھ پیش ہوا ہے۔ میر امن دہلوی کے باغ و بہار میں سماجی رشتے عام زندگی کے کرداروں کے ذریعے نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے بیانیے میں دوستوں کے مابین وفاداری، ہمسایوں کے درمیان ہمدردی، اور اجنبیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے مناظر ملتے ہیں۔ دہلی کی تہذیبی فضا میں انسانوں کے باہمی روابط خلوص، اعتماد اور شائستگی پر مبنی دکھائے گئے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب معاشرتی اقدار کو زبان، ادب اور طرزِ زندگی کے ذریعے مضبوط کیا جاتا تھا، اور باغ و بہار ان اقدار کا آئینہ دار ہے۔ میر امن نے عوامی لہجے اور روزمرہ زبان کے ذریعے ان تعلقات کو نہ صرف فنی حسن بخشا بلکہ سماجی ہم آہنگی کا مثالی نمونہ بھی پیش کیا۔

تحسین کے نوطرز مرصع اور محمد غوث زریں کے ترجمے میں بھی سماجی تعلقات کا تصور اپنے عہد کے تہذیبی اور طبقاتی پس منظر کے ساتھ نمایاں طور پر موجود ہے۔ تحسین نے درباری ماحول میں تعلقات کو رسمی آداب، احترام اور طبقاتی نظم کے دائرے میں دکھایا ہے۔ ان کے کرداروں کے تعلقات میں ظاہری شائستگی تو ہے، مگر ان کے بیچ ایک درجہ بندی بھی نظر آتی ہے، جو اس وقت کے سماجی نظام کی حقیقت تھی۔ اس کے برعکس، محمد غوث زریں کے ہاں تعلقات زیادہ روحانی اور انسانی نوعیت کے ہیں۔ ان کے بیانیے میں

انسانوں کے درمیان ہمدردی، خیر خواہی اور قربانی جیسے جذبے غالب ہیں۔ یوں ان تینوں مصنفین نے سماجی تعلقات کے ذریعے نہ صرف اپنے زمانے کی تہذیبی فضا کی عکاسی کی ہے بلکہ انسان دوستی اور اخلاقی ہم آہنگی کے ان اصولوں کو بھی پیش کیا ہے جو آج بھی ہمارے معاشرتی ڈھانچے کی اساس ہیں۔

"قصہ چہار درویش" کے تراجم میں سماجی تعلقات کی عکاسی نہایت لطیف اور معنی خیز انداز میں کی گئی ہے۔ ان داستانوں میں انسانوں کے باہمی روابط، طبقاتی فرق، دوستی، وفاداری، اور محبت جیسے پہلو نمایاں ہیں۔ باغ و بہار میں میر امن دہلوی نے دہلی کی شہری زندگی کے سماجی رشتوں کو نہایت فطری انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے کردار ایک دوسرے کے ساتھ خلوص، مہمان نوازی اور خیر سگالی کے جذبات سے منسلک نظر آتے ہیں، جو اس وقت کے ہندوستانی معاشرے کی مشترکہ تہذیبی قدروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ میر امن کے ہاں امیر و غریب کے درمیان تعلقات میں ایک انسانی توازن دکھائی دیتا ہے؛ وہ طبقاتی تفریق کے باوجود انسانی ہمدردی اور احترامِ انسانیت پر زور دیتے ہیں۔ یہی خصوصیت ان کے عہد کی سماجی حقیقت کا مظہر ہے، جس میں برصغیر کے لوگ باہمی تعاون اور رواداری کے جذبے سے جڑے ہوئے تھے۔ سماجی تعلقات میں مہمان نوازی، بزرگوں کا ادب، اور رشتہ داروں سے حسن سلوک میر امن کی نثر میں نمایاں ہے:

> "جب کوئی مہمان آتا، تو فرش بچھا دیا جاتا، چائے پان سے تواضع ہوتی، اور تعظیم سے بیٹھایا جاتا۔" [۸]

یہ روایت خاندانی نظام، سلیقہ، اور سماجی ہم آہنگی کی علامت ہے۔ باغ و بہار میں مختلف خوشی، غمی، عرس، شادی بیاہ کی رسومات کا ذکر ہے جو اس دور کی رنگارنگ ثقافت کو بیان کرتا ہے:

> "شادی کے دن سارے شہر میں چراغاں ہوا، طبلہ، نقارہ، شہنائی بجنے لگی، اور عورتیں گیت گانے لگیں۔" [۹]

یہ اقتباس تہواروں کی اجتماعی، صوتی، بصری اور جذباتی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ میر امن کی نثر میں مذہب کے ساتھ احترام، عبادت، دعا، اور توبہ کا ذکر بار بار آتا ہے:

> "رات بھر تہجد پڑھی، آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، دل سے دعا کی کہ یارب! اب کے بچا لے۔" [۱۰]

یہ دکھاتا ہے کہ اس وقت کا فرد روحانیت سے جڑا، خوفِ خدا رکھنے والا اور مذہبی شعور کا حامل تھا۔ خوراک میں ذائقہ، ترتیب، دعوت کا سلیقہ، اور طبقاتی فرق "باغ و بہار" میں خوب صورتی سے بیان ہوا ہے:

"دستر خوان بچھا، زعفرانی پلاؤ، قورمہ، شیر مال، اور برف کی صراحی رکھی گئی۔"[۱۱]

نو طرزِ مرصع میر محمد حسین عطا خاں تحسینؔ کی مشہور نثری تصنیف ہے جو اردو نثر کی ابتدائی اور اہم تخلیقات میں شمار ہوتی ہے۔ اس کتاب میں اٹھارویں صدی کی دہلی کی تہذیب، معاشرت اور ادب کا خوب صورت عکس ملتا ہے۔ نو طرزِ مرصع دہلی کے دربار اور وہاں کی روزمرہ زندگی کی تصویری جھلکیاں پیش کرتی ہے۔ تحسینؔ کی تحریر میں اس دور کی نزاکت، شائستگی، اور تہذیب کے آثار جھلکتے ہیں۔ نو طرز مرصع از تحسین اور محمد غوث زریں میں سماجی تعلقات زیادہ رسمی اور طبقاتی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ تحسین کے ہاں درباری آداب، اشرافی نزاکت، اور امیرانہ طرزِ گفتگو سماجی تعلقات کو رسمی اور غیر جذباتی بناتے ہیں، جب کہ محمد غوث زریں نے ان روابط میں توازن اور اخلاقی پہلو کو نمایاں رکھا ہے۔ ان کے ہاں معاشرتی تعلقات میں عدل، خلوص اور دیانت کے اصول غالب نظر آتے ہیں، جو اس وقت کے اخلاقی نظام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ دونوں تراجم اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ برصغیر کی سماجی ساخت میں طبقاتی فرق کے باوجود انسانی ہمدردی، باہمی احترام، اور اخلاقی رواداری جیسے عناصر ہمیشہ بنیادی اہمیت رکھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"کوئی سخن گو اپنے کلام سے مجلس کو چراغاں کرتا، کوئی مطرب اپنے ساز سے سماں باندھتا، اور کوئی نکتہ سنج اپنے لطائف سے دلوں کو مہکاتا۔"[۱۲]

یہ اقتباس اس دور کے ادبی ذوق اور محفل آرائی کی روایت کو نمایاں کرتا ہے جہاں گفتگو اور ادب محفلوں کا زیور ہوا کرتے تھے۔ تحسینؔ کی نثر عربی، فارسی اور اردو کے حسین امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ ان کی زبان میں فصاحت و بلاغت کی جھلک ہے۔ وہ اکثر تہذیبی محاوروں اور محاوراتی زبان سے سماجی اقدار کو ظاہر کرتے ہیں:

"دلوں میں تمنا تھی کہ لبوں پر فسانہ ہو، اور نگاہوں میں وہ شوخی ہو کہ ہر ادا میں ناز ہو۔"[۱۳]

یہ اقتباس صرف ایک ادبی اظہار نہیں بلکہ اس وقت کی جمالیاتی سوچ کی عکاسی بھی کرتا ہے جہاں نرمی، نزاکت اور خوب صورتی زندگی کے ہر شعبے میں مطلوب تھی۔ تحسینؔ نے اپنے کرداروں کے ذریعے اُس دور کے سماجی رتبوں اور آداب و اخلاق کو بھی پیش کیا ہے۔ ان کے کردار نہ صرف زبان و بیان میں مہذب ہیں بلکہ ان کا لباس، چال ڈھال اور گفتگو بھی آداب کے تابع ہے:

"ہر ایک شخص اپنے مقام کا لحاظ رکھتا، نہ کوئی حد سے بڑھتا نہ کسی کو کمتر جانتا؛ ہر بات

میں تہذیب، ہر قدم پر وقار۔" [۱۴]

یہ اقتباس بتاتا ہے کہ سماجی نظم و ضبط اور ادب و لحاظ اس وقت کی زندگی کا لازمی جزو تھا۔

غوث زریں کی نثر میں ثقافتی مظاہر نہایت اہم اور واضح انداز میں موجود ہیں۔ ان کے اسلوب میں ہندوستانی تہذیب، درباری آداب، خاندانی روایت، لباس، خوراک، موسیقی، اور طرزِ بود و باش کی جھلک نمایاں ہے۔ غوث زریں کی نثر میں درباری آداب و رسوم کا تفصیلی ذکر پایا جاتا ہے جو مغلیہ عہد یا بعد از مغلیہ درباروں کی ثقافت کو ظاہر کرتا ہے:

"سرزمین ولایت روم میں، ایک بادشاہ عادل، دریا دل، صاحب تاج و تخت، نام آزاد بخت؛ اُس کی عمر پچاس کے قریب مگر اولاد سے بے نصیب۔" [۱۵]

یہ اقتباس مغربی درباروں کی ساخت، بادشاہوں کے جذبات، اور سلطنتی طرزِ زندگی کو ظاہر کرتا ہے، جو اُس وقت کی ثقافتی فضاء کا عکاس ہے۔

خواتین کا احترام

خواتین کا احترام کسی بھی معاشرت کی تہذیبی پختگی اور اخلاقی بلندی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جس معاشرے نے عورت کو عزت، وقار اور مساوی حقوق دیے، وہی معاشرہ فکری، اخلاقی اور سماجی لحاظ سے ترقی کی منازل طے کر سکا۔ عورت دراصل خاندان، معاشرت اور تہذیب کی بنیادی اکائی ہے، جو نسلوں کی تربیت، اخلاقی اقدار کے فروغ، اور سماجی توازن کی ضامن ہے۔ تاہم، مختلف ادوار میں عورت کے مقام و مرتبے میں اتار چڑھاؤ آتا رہا ہے۔ قدیم زمانے میں عورت کو کمتر درجہ دیا جاتا تھا، بعض معاشروں میں اسے محض تابع اور محدود کردار تک رکھا گیا۔ اسلام کی آمد نے اس سوچ کو یکسر بدل دیا۔ قرآنِ مجید نے عورت کو عزت، حقِ ملکیت، حقِ تعلیم، حقِ رائے اور معاشرتی شراکت جیسے حقوق عطا کیے، اور رسولِ اکرمؐ نے اپنے قول و عمل سے خواتین کے احترام کی وہ بنیاد رکھی جس نے دنیا بھر کے تہذیبی نظاموں پر گہرا اثر ڈالا۔

اردو ادب میں بھی خواتین کے احترام کا تصور ہمیشہ ایک نمایاں اخلاقی اور تہذیبی قدر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ داستانوں، افسانوں، اور شاعری میں عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور شریکِ حیات کے مختلف روپوں میں عزت و احترام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ میر امن دہلوی کی باغ و بہار ہو یا تحسین کا نو طرز

مرصع، دونوں میں عورت کے وجود کو معاشرتی توازن کی علامت کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ ان داستانوں میں عورت محض ایک جمالیاتی کردار نہیں بلکہ اخلاقی اور سماجی استحکام کی بنیاد ہے۔ وہ وفاداری، ایثار، صبر، محبت اور خلوص جیسے اوصاف کی نمائندہ ہے۔ میر امن کے ہاں خواتین کو معاشرتی رشتوں میں عزت و لحاظ کے ساتھ دکھایا گیا ہے، جہاں مرد کردار ان کی عزت و حرمت کا پاس رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے ہندوستانی معاشرے میں عورت کو خاندان اور معاشرتی نظام کا ایک محترم ستون تصور کیا جاتا تھا۔

سماجی اور اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خواتین کے احترام کا تصور صرف گھریلو زندگی تک محدود نہیں بلکہ معاشرت کے تمام پہلوؤں میں کارفرما رہا ہے۔ اسلامی اور مشرقی روایات دونوں عورت کے ساتھ حسنِ سلوک، عدل، اور عزت پر زور دیتی ہیں۔ اردو نثر میں یہ پہلو نہایت خوب صورتی سے ابھرتا ہے کہ عورت کو کمزور نہیں بلکہ طاقت، قربانی اور اخلاقی بلندی کی علامت سمجھا جائے۔ اس حوالے سے اردو ادب کی داستانی روایت نے خواتین کی کردار نگاری میں ایک ایسا متوازن تصور پیش کیا جس میں نہ صرف عورت کی سماجی اہمیت بلکہ اس کی فکری و اخلاقی برتری بھی نمایاں ہے۔ آج کے دور میں، جب خواتین مختلف میدانوں میں فعال کردار ادا کر رہی ہیں، ادب کا یہی پیغام ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کسی معاشرے کی اصل ترقی اس وقت ممکن ہوتی ہے جب عورت کو مکمل احترام، اعتماد اور مساوی مواقع دیے جائیں۔ یہی احترام دراصل ایک مہذب اور انسانی معاشرے کی پہچان ہے۔ خواتین کا ذکر احترام، نزاکت اور ادب کے ساتھ کیا گیا ہے، جو اس دور کی اخلاقی اقدار اور صنفی روایات کی عکاسی کرتا ہے:

"عورتیں اندر خانہ بیٹھی رہیں، پردے کا لحاظ کیا گیا، اور بغیر اجازت کے مرد نہ آنے پائے۔"[۱۶]

یہ طرز عمل حیا، پردے اور عزت نفس کے رواج کو ظاہر کرتا ہے۔ باغ و بہار کی زبان میں خود ہی تہذیب اور سلیقہ پن نظر آتا ہے۔ سلام، دعا، عرض، جناب جیسے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں:

"بندہ پرور، سلامت رہیں، دل خوش ہوا، دعا گو ہوں۔"[۱۷]

یہ سب الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ زبان محض رابطہ نہیں، تہذیب کا مظہر بھی تھی۔ مختلف کرداروں کے ذریعہ درزی، نانبائی، موتی فروش، حکیم، لوہار جیسے پیشوں کا ذکر ملتا ہے:

"وہ لوہار ایسا فنکار تھا کہ لوہا جڑ کر سونا بناتا، اور درزی ایسا تھا کہ بدن پر کپڑا ایسے فٹ کرتا

جیسے جلد ہو۔"[۱۸]

تحسینؔ نے خواتین کے کردار کو بھی شائستگی اور وقار کے ساتھ پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"عورتیں گویا شرم و حیا کا چلتا پھرتا مجسمہ تھیں، بات میں نرمی، چال میں وقار، نظر میں حجاب، اور لہجے میں سلیقہ۔"[۱۹]

یہ اقتباس اُس وقت کی خواتین کی سماجی شناخت اور تہذیبی تربیت کو ظاہر کرتا ہے جو گھر، محفل اور معاشرے میں ان کے مقام کو بلند کرتی تھی۔ نو طرزِ مرصع میں ادب، اخلاص، اور انسانی رویے بھی بار بار بیان ہوئے ہیں۔ معاشرتی اقدار، خاص طور پر خواتین کی پردہ داری اور شرم و حیا، ایک اہم ثقافتی عنصر ہے جو قصے میں نمایاں طور پر موجود ہے:

"کہا: میرا باپ شکار کھیلنے کے طریق پر تین مہینے سے باہر ہے اور ماں قلعے کے اندر ہے، بے حرمتی جان کر کسی سے نہ کہتی، خفیہ تلاش میں رہتی۔"[۲۰]

یہ عبارت ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی کی پردہ داری، عزتِ نفس اور تہذیبی نزاکت کو اجاگر کرتی ہے۔ غوث زریں کی نثر میں خواتین محض پردے میں چھپی مخلوق نہیں بلکہ فعال، باشعور اور فیصلہ کن کردار کی حامل دکھائی دیتی ہیں:

"میرے دل پر جو اس کا غلبہ ہوا، سبب یہ کہ دانائی اس کی عقل سے، خوبی اس کی شرافت سے، اور بات اس کی دیانت سے معلوم ہوتی تھی۔"[۲۱]

یہ اقتباس بتاتا ہے کہ عورتوں کو دانش، حسنِ اخلاق، اور فہم و فراست کے اعتبار سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، جو اس وقت کی معتدل مگر باوقار صنفی ثقافت کی جھلک ہے۔ دعوتِ ولیمہ، کھانے کی تیاری اور اس کی پیشکش بھی اس دور کی مروّت، مہمان نوازی اور فراخی دل کو ظاہر کرتی ہے:

"فرمایا: ایک مسافر نے احسان کیا ہے، جو بھلا چاہے تو اس کو ہمارے گھر کھانے پر بلا لے۔"[۲۲]

یہ روایت مہمان کو عزت دینا، کھانے کی میز پر سب کو برابر کا درجہ دینا اور احسان کا بدلہ عزت سے دینا، سب ایک ثقافتی اقدار کی نمائندگی کرتے ہیں۔

حکمران طبقہ

کسی بھی معاشرے کی تشکیل اور استحکام میں حکمران طبقہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے، کیوں کہ

اقتدار اور نظم و نسق انھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ حکمران طبقہ دراصل وہ طبقہ ہے جو ریاستی فیصلوں، معاشی پالیسیوں، اور سماجی نظام کے ڈھانچے پر اثرانداز ہوتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حکمران طبقہ عدل، مساوات اور خدمتِ خلق کے اصولوں کو اپناتا ہے تو معاشرہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے، لیکن جب یہی طبقہ ذاتی مفادات، جاہ و حشمت، اور استبداد کا شکار ہو جاتا ہے تو ریاست میں طبقاتی ناہمواری، ظلم اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ برصغیر کی تاریخ خصوصاً مغلیہ دور اور اس کے بعد کے ادوار میں حکمران طبقے کی سیاسی و سماجی زندگی نے عوامی شعور اور ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہی طبقہ معاشرے کے اخلاقی معیار، زبان، فنونِ لطیفہ اور تہذیبی قدروں کی سمت متعین کرتا تھا۔ چنانچہ اردو ادب کی داستانی روایت میں حکمران طبقہ ہمیشہ ایک نمایاں عنصر کے طور پر سامنے آتا ہے، جہاں اس کے کردار کو طاقت، سیاست، فہم اور اخلاقی ذمہ داری کے مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے۔

قصہ چہار درویش اور اس کے مختلف تراجم خصوصاً باغ و بہار، نوطرز مرصع از تحسین، اور نوطرز مرصع از محمد غوث زریں میں حکمران طبقے کی عکاسی اپنے عہد کے سیاسی و سماجی ڈھانچے کے مطابق ملتی ہے۔ میر امن دہلوی نے اپنے ترجمے باغ و بہار میں بادشاہوں اور امیروں کو عوام کے قریب دکھایا ہے، جو انصاف پسند، رحم دل اور شائستہ مزاج ہیں۔ ان کے ہاں حکمران طبقہ عوامی خدمت اور رعایا پروری کی مثال ہے، جو اس وقت کے دہلی کے سماجی توازن اور اسلامی عدل کے اصولوں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے برعکس تحسین کے نوطرز مرصع میں درباری نزاکت، تصنع اور اشرافیہ کی چمک دمک نمایاں ہے، جہاں حکمران طبقہ طاقت اور جاہ و حشمت کا مظہر بن کر سامنے آتا ہے۔ یہ اس زمانے کی طبقاتی تقسیم اور درباری زندگی کی حقیقتوں کا عکس ہے، جو ادب کے ذریعے تاریخ کا حصہ بنی۔

محمد غوث زریں نے اپنے نوطرز مرصع میں حکمران طبقے کے کردار کو اخلاقی اور روحانی توازن کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے ہاں بادشاہ محض اقتدار کا پیکر نہیں بلکہ انصاف، تدبر اور انسان دوستی کا حامل ہے۔ وہ عوام کے دکھ درد میں شریک اور رعایا کے حقوق کا نگہبان دکھائی دیتا ہے۔ یہ نقطہ نظر نہ صرف ادبی بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی قابلِ قدر ہے، کیوں کہ یہ حکمرانی کے اسلامی اور انسانی اصولوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو "قصہ چہار درویش" کے ان تراجم میں حکمران طبقہ محض اقتدار کا مرکز نہیں بلکہ تہذیبی اقدار، سماجی ذمہ داری، اور اخلاقی شعور کا آئینہ دار ہے۔ یہ داستانیں ہمیں یہ پیغام دیتی ہیں کہ ایک عادل،

مخلص اور دیانت دار حکمران طبقہ ہی معاشرے کو فلاح و ترقی کی سمت لے جا سکتا ہے، جب کہ ظالم اور خود غرض طبقہ ہمیشہ زوال اور بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ حکمران طبقے کی شان و شوکت، درباری آداب اور رسم و رواج بھی اس ثقافت کا حصہ تھے:

"بادشاہ کے دربار میں سب دست بستہ کھڑے تھے، وزیر پیش ہوا، سلام بجالایا، اور تخت کے قریب جھک کر بیٹھا۔" [۲۳]

یہ منظر ریاستی نظام، ادب، اور دربار کے آداب کو اجاگر کرتا ہے۔ باغ و بہار صرف داستان نہیں بلکہ برصغیر کی مسلم معاشرت کا زندہ دستاویز ہے۔ اس میں:

- لباس، خوراک، رہن سہن کا معیار
- ادب، اخلاق، روحانیت، سماج، صنفی رویے
- اور روایتی تہوار و تقریبات

کا ایسا حسین امتزاج پیش کیا گیا ہے جو آج بھی اردو تہذیب کے شائقین کے لیے قابلِ تقلید اور لائقِ فخر ہے۔

"میر امن نے 'باغ و بہار' میں صرف داستان نہیں لکھی، بلکہ اس دور کی تہذیب کو لفظوں میں محفوظ کر دیا۔" [۲۴]

باغ و بہار میں تعلیم کا ذکر اس وقت کی علمی و دینی روایت کی جھلک پیش کرتا ہے، جیسے استاد شاگرد کے رشتے، مکتب کی تعلیم، قرآن خوانی، وغیرہ:

"چند دن مکتب گیا، بسم اللہ پڑھی، الف، بے، پے، یکھا، اور استاد سے ادب سیکھا۔" [۲۵]

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ اس دور میں تعلیم نہ صرف علم کا ذریعہ تھی بلکہ ادب و اخلاق کی تربیت کا بھی مرکز تھی۔ میر امن نے مختلف طبقات؛ امرا، تاجر، کاریگر، فقیر، بادشاہ کا ذکر کرکے سماجی ڈھانچے کی وضاحت کی ہے:

"امیر تو ہاتھیوں پر بیٹھے، خدمت گزار پیچھے پیچھے، اور فقیروں کا حال یہ کہ پاؤں میں جوتی نہیں۔" [۲۶]

یہ بیان سماج میں پائے جانے والے مراکزِ اختیار اور سماجی تفریق کی جھلک ہے، جو آج بھی برصغیر کی ثقافت کا حصہ ہے۔ باغ و بہار کی زبان خود ایک ثقافتی مظہر ہے۔ میر امن نے ایسی زبان استعمال کی جو دل

کے قریب، مہذب، اور شائستہ ہے:

''میاں! آپ کی عنایت ہے، ورنہ خاکسار کیا چیز ہے؟''[۲۷]

مہمان نوازی

مہمان نوازی مشرقی معاشرت کی ایک ایسی نمایاں اور ابدی قدر ہے جو انسان دوستی، خلوص، محبت اور ایثار کے جذبات کو مجسم کرتی ہے۔ یہ صرف ایک سماجی رسم نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی ذمہ داری کے طور پر معاشرتی زندگی میں رچ بس چکی ہے۔ برصغیر کی قدیم تہذیبوں میں بھی مہمان نوازی کو عزت و وقار کی علامت سمجھا جاتا تھا، تاہم اسلام نے اس روایت کو باقاعدہ اخلاقی اصول کا درجہ دے کر اسے ایک عبادت کی صورت عطا کی۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویؐ میں مہمان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اس کے اکرام پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا: ''جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔'' (بخاری و مسلم)۔ اسی تعلیم نے مسلمانوں کے معاشرتی نظام میں مہمان نوازی کو ایک لازمی خُلق بنا دیا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو برصغیر کی مسلم تہذیب میں مہمان نوازی صرف ایک شخصی عمل نہیں بلکہ ایک معاشرتی فریضہ ہے جو باہمی احترام، محبت، اور رواداری کی بنیاد پر قائم ہے۔

اردو ادب، بالخصوص داستانی روایت، میں مہمان نوازی کا تصور نہایت خوب صورت اور تہذیبی شعور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ قصہ چہار درویش اور اس کے تراجم میں مہمان نوازی کے مناظر نہ صرف اخلاقی اقدار کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اس دور کی معاشرتی تہذیب کا آئینہ بھی ہیں۔ باغ و بہار میں میر امن دہلوی نے دہلی کی عوامی زندگی اور روزمرہ تعلقات میں مہمان نوازی کو ایک لازمی جزو کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے کردار جب کسی مسافر، درویش یا اجنبی سے ملتے ہیں تو ان کے لیے کھانے پینے، آرام اور عزت و اکرام کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل اس وقت کے ہندوستانی معاشرتی نظام کی وسعتِ قلبی، انسان دوستی اور تہذیبی شائستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ میر امن کے بیانیے میں مہمان نوازی محض ایک اخلاقی رویہ نہیں بلکہ انسانیت کا اظہار ہے، جو مذہبی اور معاشرتی دونوں سطحوں پر محترم ہے۔

اسی طرح تحسین کے نوطرز مرصع اور محمد غوث زریں کے ترجمے میں بھی مہمان نوازی کا تصور نمایاں طور پر موجود ہے، تاہم ان دونوں کے ہاں اس کا اظہار طبقاتی اور تہذیبی فرق کے مطابق مختلف انداز میں ملتا ہے۔ تحسین نے درباری ماحول میں مہمان نوازی کو شان و شوکت اور آدابِ محفل کے ساتھ پیش

کیا، جہاں مہمان کے استقبال میں ظاہری عظمت اور رسمی احترام نمایاں ہے۔ دوسری طرف، محمد غوث زریں نے اس روایت کو سادگی، اخلاص اور روحانی وقار کے ساتھ بیان کیا، جو خالصتاً اسلامی اخلاقیات سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے ہاں مہمان نوازی ایک باطنی جذبے کی علامت ہے، جس کا مقصد محض مہمان کو خوش کرنا نہیں بلکہ انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کا عملی اظہار ہے۔ یوں یہ تینوں تراجم نہ صرف مہمان نوازی کی روایتی قدر کو زندہ رکھتے ہیں بلکہ اسے اپنے اپنے عہد کی سماجی و تہذیبی روح کے مطابق نئے معنوی رنگ بھی عطا کرتے ہیں۔ اہلِ درویش کی مہمان نوازی اور شاہی سطح کی ضیافت کی جھلکیاں بھی غوث زریں کی نثر میں ملتی ہیں:

"کار پردازبہ جمع کارخانہ سب اسبابِ ضیافت ملوکانہ، آج ہی اس مکان میں پہنچائیں۔"[۲۸]

یہ اقتباس اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اس وقت کے اشرافیہ میں ضیافت، خدمت گزاری، اور شاہانہ تکریم ایک عام رسم تھی۔ غوث زریں کے اسلوب میں لباس کی تفصیل بھی ثقافتی شناخت کا ذریعہ بنتی ہے:

"فرمایا: قلعہ بادشاہی کے متصل یوسف نامی سوداگر مالدار ہے، اُس کی دکان پر طرح طرح کا اسباب تیار ہے۔"[۲۹]

یہاں نہ صرف بازار اور خریداری کی روایات کا ذکر ہے، بلکہ درباری لباس، زیورات، اور فیشن کے رجحانات کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ غوث زریں نے سماجی زندگی میں موسیقی کے کردار کو بھی اہمیت دی ہے، خاص طور پر طنبورہ نواز عورتوں کا ذکر:

"عرض کی ایک کنیز طنبورہ نواز خوب گاتی ہے اور پان سود بنار کو ہاتھ آتی ہے۔"[۳۰]

یہ اقتباس صرف موسیقی کی اہمیت کو نہیں بلکہ ثقافتی تفریح کے ذرائع کو بھی واضح کرتا ہے۔ معاشرے میں ادب، شائستگی، اور بڑوں کے احترام جیسے اقدار غوث زریں کی تحریر میں بار بار نمودار ہوتے ہیں:

"جب سوداگر داخل شہر ہوئے، میں نے اپنا مال لیا، سب اُسی پر خرچ کیا۔ آرام مجھ پر حرام ہوا، جو وہ کھاتی تو میں کھاتا، جو وہ سوتی تو میں سوتا۔"[۳۱]

یہاں نہ صرف قربانی اور وفاداری کا ذکر ہے بلکہ انسانی ہمدردی اور سماجی ہم آہنگی کی جھلک بھی ملتی ہے۔ کہانی کے کئی حصے اس وقت کے خاندانی ڈھانچے، وراثت، اور نسل در نسل روایات کی وضاحت کرتے

ہیں:

"کار خیر ہمشیر سے اپنی حین حیات میں فراغت کی اور میری پرورش بہ ناز و نعمت کی۔ جو میں بلوغت کو پہنچا، میرے باپ نے پیالہ اجل پیا اور میری ماں نے خانہ گور کو آباد کیا۔" [۳۲]

یہ اقتباس خاندانی وحدت، والدین کی ذمہ داری، اور اولاد کی پرورش جیسے ثقافتی اصولوں کو بیان کرتا ہے۔ شادی کا بیان نہ صرف قصے کو آگے بڑھاتا ہے بلکہ معاشرتی اور مذہبی اقدار کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ غوث زریں نکاح کے عمل کو باقاعدہ شرعی انداز میں پیش کرتے ہیں:

"قاضی نے میرے حضور نکاح پڑھا اور فرمایا: قبول کیا تو میں نے تین دفعہ کہا: قبول کیا۔" [۳۳]

یہ اقتباس روایتی اسلامی طریقۂ نکاح، گواہوں کی موجودگی اور رضامندی کو نمایاں کرتا ہے، جو برصغیر کے مسلم معاشرے کی اہم ثقافتی علامت ہے۔

باغ و بہار میں میر امن دہلوی نے دہلی کی عوامی زبان، محاورات اور روزمرہ زندگی کو اس سادگی اور روانی سے پیش کیا کہ وہ اپنے زمانے کے عام انسان کی زندگی کا عکاس بن گیا۔ ان کی نثر میں ہندوستانی معاشرت کے خلوص، مہمان نوازی اور اخلاقی اقدار نمایاں ہیں۔ اس کے برعکس تحسین کا نوطرز مرصع درباری ماحول، اشرافیہ کی تہذیب اور تصنع آمیز زبان کا نمائندہ ہے، جو اس وقت کے طبقاتی نظام اور فکری برتری کے احساس کو ظاہر کرتا ہے۔ محمد غوث زریں نے انھی روایات کو سادگی، اعتدال اور اخلاقی توازن کے ساتھ پیش کیا، جس سے ان کی تحریر میں سماجی انصاف، روحانی احساس اور انسان دوستی کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس تقابلی مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "قصہ چہار درویش" کے یہ تراجم محض ادبی کاوشیں نہیں بلکہ برصغیر کے بدلتے ہوئے سماجی و تہذیبی رویوں کی عکاسی بھی ہیں۔ ہر مترجم نے اپنے عہد کے فکری رجحانات، سماجی اقدار اور انسانی تعلقات کو اپنے بیان میں سمویا ہے۔ نتیجتاً، یہ تراجم اردو نثر کی تشکیل، زبان کے ارتقا، اور برصغیر کی تہذیبی تاریخ کے فہم کے لیے نہایت اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے "قصہ چہار درویش" صرف ایک داستان نہیں بلکہ تہذیبی ورثے کا آئینہ ہے، جو اردو ادب میں تہذیب، اخلاق، اور معاشرتی ہم آہنگی کے استعارے کے طور پر زندہ ہے۔

حواشی

۱۔ محمد صدیق،اردو کی نثر کا ارتقا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ۱۱۲۔
۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی،تاریخِ ادبِ اردو ، جلد دوم (کراچی: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۹۱ء)، ۲۴۵۔
۳۔ احتشام حسین،اردو ادب کی تنقیدی تاریخ (علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۲ء)، ۱۸۷۔
۴۔ سید عبداللہ،نثرِ اردو کی روایت (لاہور: پنجاب یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء)، ۱۶۳۔
۵۔ عبدالحلیم شرر،مقالاتِ شرر (لکھنؤ: ندوۃالمصنّفین، ۱۹۳۴ء)، ۵۹۔
۶۔ رشید احمد صدیقی،خطباتِ رشید (علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۴ء)، ۲۰۲۔
۷۔ ڈاکٹر گیان چند جین،اردو نثر کا سماجی و ثقافتی پس منظر (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء)، ۹۴۔
۸۔ میر امن،باغ و بہار (آگرہ: الیکٹرک ابوالعلائی پریس انڈیا، ۱۸۰۲ء)، ۴۹۔
۹۔ ایضاً، ۵۰۔ ۱۰۔ ایضاً، ۵۲۔
۱۱۔ ایضاً، ۵۵۔
۱۲۔ میر محمد حسین عطا خان تحسین،نو طرز مرصع (دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۸۲۶ء)، ۴۳۔
۱۳۔ ایضاً، ۴۴۔ ۱۴۔ ایضاً، ۴۹۔
۱۵۔ ایضاً، ۵۷۔
۱۶۔ میر امن،باغ و بہار، ۵۶۔
۱۷۔ ایضاً، ۵۷۔ ۱۸۔ ایضاً، ۵۹۔
۱۹۔ میر محمد حسین عطا خان تحسین،نو طرز مرصع، ۸۹۔
۲۰۔ ایضاً، ۵۹۔
۲۱۔ غوث زریں،نو طرز مرصع (دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۸۰۲ء)، ۲۷۔
۲۲۔ ایضاً، ۲۹۔
۲۳۔ میر امن،باغ و بہار، ۶۱۔
۲۴۔ ایضاً، ۶۳۔ ۲۵۔ ایضاً، ۶۲۔
۲۶۔ ایضاً، ۶۸۔ ۲۷۔ ایضاً، ۶۹۔
۲۸۔ غوث زریں،نو طرز مرصع ، ۱۲۔
۲۹۔ ایضاً، ۱۳۔ ۳۰۔ ایضاً، ۱۵۔
۳۱۔ ایضاً، ۲۳۔ ۳۲۔ ایضاً، ۲۴۔ ۳۳۔ ایضاً، ۲۶۔